آسیہ رزاقی

وہ اجنبی تھی

ناولٹ

لاؤنج میں دیوار پر بلیوں اور گھوڑوں کی تصویریں لگی تھیں۔ بلیاں معصوم اور نیم غنودہ کیفیت میں سامنے دیکھ رہی تھیں جبکہ گھوڑوں کے منہ سے کف جاری تھا۔ وہ شدید اشتعال کے عالم میں اگلی ٹانگیں اٹھائے ہوئے تھے۔ شہزادے کے نانا کو یہ دونوں تصویریں پسند نہ تھیں کہ وہ جب انہیں دیکھتے' بڑبڑا کر رہ جاتے۔

شہزادے کا خیال تھا کہ وہ گھوڑوں سے ڈرتے ہیں کیونکہ لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے تصویر پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک جاتے تھے مگر چونکہ لاڈلے نواسے کی پسند کو چیلنج نہیں کر سکتے تھے' اس لیے بس چپ رہتے۔ وہ اس کی کوئی بات ٹال نہیں سکتے تھے۔ وہ اپنی عقل مندی اور ذہانت کے مظاہرے کر کے انہیں قائل کر لیتا تھا۔ وہ برسوں سے اکیلے رہ رہے تھے۔ ان کے دوست بھی کم تھے اور جو تھے وہ ان کی بد مزاجی سے خائف رہتے۔ یہ تو ابھی کچھ عرصے سے شہزادہ ان کے ساتھ آ گیا تھا تو گھر میں اور ان کے مزاج میں تبدیلی آئی تھی۔

شہزادہ خاصا لاڈلا تھا۔ اس کی وجہ یہ کہ ان کی بیٹی داماد تو غیر ممالک کے ہو کر رہ گئے تھے۔ شہزادہ ضدی تھا۔ بغرض تعلیم لاہور میں رہتا تھا۔ وہ ماں باپ سے میلوں دور اور ذہنی طور پر بھی فاصلے پر تھا اور یہ فاصلے اس کے نانا کو بہت مرغوب تھے۔ پہلے وہ اس سے ملنے کے لیے خود لاہور جاتے تھے مگر اب اسے مستقل طور پر کراچی لے آئے تھے۔ اس کے آنے سے ان کے گھر میں رونق ہو گئی تھی بلکہ ان کے دل میں بھی خوشی کے چراغ جل اٹھے تھے۔

گو کہ بظاہر وہ اس سے ناراض رہتے تھے مگر دل ہی دل میں اسے سراہتے۔ وہ اس کی ذہانت کے قائل ہونے کے باوجود اس کی حماقتوں کا چرچا کرتے۔ اس کے دوستوں کو نادان دوست کہہ کر دوستی سے باز رہنے کی تلقین کرتے۔ مگر شہزادہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینے پر کمر بستہ۔ شہزادے کے آنے کے بعد سے پڑوسی اچانک جاگ اٹھے تھے اور وہ



جو نانا کی بدمزاجی سے خائف رہتے تھے اب شہزادے سے مل کر قہقہے لگاتے جو نانا کی برداشت سے باہر تھا۔ مگر وہ صرف اس لیے اسے نظرانداز کر دیتے کہ ان پر لگے آدم بیزاری کے تمغے کا اثر نواسے پر نہ ہو۔ وہ اسے ہر دل عزیز دیکھنا پسند کرتے تھے۔ خطرہ تھا کہ ان کی روک ٹوک اسے گھر اور نانا سے بیزار نہ کر دے اور وہ وہاں سے آزاد پرندے کی طرح اڑ نہ جائے۔

وہ اسے اپنی ذمے داری پر لاہور سے اکھاڑ کر لائے تھے اور اسے ہر صورت اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ بیٹی کی تو زیادہ فکر نہ تھی مگر داماد سے ڈرتے تھے کہ وہ اس کا کراچی آنا پسند نہیں کرے گا۔ لیکن شہزادے نے خود انہیں تسلی دی تھی کہ "وہ نانا کے ساتھ خوش ہے۔ نانا اس کا بہت خیال رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ یہاں سے لاہور جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسے نانا سے جو محبت ملی ہے وہ انوکھی، نرالی اور دل ربا، دلکش ہے جو پہلی بار اس نے پائی ہے اور اب اسے کسی محبت یا توجہ کی ضرورت نہیں۔" نانا اس کی اس ذہانت آمیز گفتگو سے جو وہ ماں سے کر رہا تھا، بے حد مسرور تھے اور خوشی سے گردن ہلاتے رہے۔ بعد میں انہوں نے اسے بہت ڈانٹا۔

"ارے گستاخ! ماں سے اس طرح بات کی جاتی ہے؟ نالائق، وہ کیا کہتی ہوگی کہ میں نے سکھا پڑھا دیا ہے۔"

"تو اور کیا۔ آپ سکھا پڑھا رہے ہیں، یہ غلط نہیں۔ پچھلے مہینے آپ نے فیس نہ دی ہوتی تو میں گھر بیٹھا ہوتا۔" وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

نانا نے اسے گھور کر دیکھا۔ "اور۔۔۔ اور کچھ بھی کہو۔ لگا دو الزام مجھ پر۔ کیا سکھایا ہے میں نے؟"

"بہت کچھ، تہذیب، تمیز، شرافت کے سبق اور محبت۔۔۔ نانا میرے پیارے نانا جان!"

وہ ان سے لپٹ گیا۔ بمشکل انہوں نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کیا۔

"نانا جان! دراصل میری پینٹ کی زپ خراب ہو گئی ہے اور قمیصوں کے بٹن ٹوٹ گئے ہیں۔ کل میں نے راحمہ سے کہا تھا کہ ذرا بٹن لگا دو تو کہنے لگی کہ سوئی لا دو۔ میں نے کہا، تم اپنے گھر سے لے آؤ۔ اس وقت سے جو گئی ہے تو پھر اس کی صورت نظر نہیں آئی۔"

نانا غور کرنے لگے۔ "راحمہ کون؟"

"نانا جان! راحمہ ہمارے سامنے والے گھر میں رہتی ہے۔ بڑی اچھی بچی ہے، کیوٹ سی۔"

"اچھا بچی ہے۔" انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ "تم نے مجھ سے کہا ہوتا، میں بٹن لگا دیتا، اپنے بھی لگاتا ہی ہوں۔"

شہزادے نے چھلانگ لگائی اور اگلے منٹ وہ کپڑوں کا ڈھیر اٹھا لایا۔ نانا کے سامنے رنگ برنگے ملبوسات کا پہاڑ تھا اور وہ نانا کی حیرت سے فائدہ اٹھا کر گنگناتا ہوا باہر نکل گیا۔

اب ہر روز نانا صبح کے وقت اس کے کپڑے درست کرتے رہتے اور وہ ان میں عیب نکالتا۔ "ٹانکا لمبا ہے، بٹن جگہ پر نہیں۔ نانا! آپ میں سلیقہ نہیں ہے۔ راحمہ کو دیکھیں، اس کی امی کتنی سلیقہ شعار ہیں۔ مجال ہے [illegible] بٹن ادھر سے ادھر نظر آئیں۔"

نانا خفگی سے گھورا کرتے۔ ایک روز انہوں نے راحمہ کو دیکھ لیا۔ وہ اگرچہ بچی تھی تو خاصی قد آور۔ شاید کسی کیمیکل کے غلط استعمال نے اسے آن واحد میں لمبا کر دیا تھا (فلموں کے مطابق)۔ راحمہ نے خود انہیں بتایا کہ وہ پندرہ سال کی ہے (حالانکہ وہ اٹھارہ سے کم نہ تھی)

پھر ساتھ والے گھر سے زرینہ نے بھی آمد و رفت نکالی۔ وہ جب آتی اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا پیالہ ہوتا جس میں کبھی کھیر، کبھی کسٹرڈ، کبھی کوئی سالن ہوتا۔ نانا کو زرینہ پسند آئی۔ فائدہ مند بھی اور زیادہ بولتی نہ تھی۔

پھر فرزانہ اور سکینہ بھی آنے لگیں۔ سکینہ صفائی میں ماہر تھی۔ آتے ہی جھاڑو پکڑ لیتی۔ اس قدر تیزی سے گرد اڑاتی کہ نانا تو چھینکتے ہوئے صحن میں چلے جاتے۔ شہزادہ باتھ روم میں بند ہو جاتا۔ بعد میں وہ خفا

ہوتا کہ صفائی کجا مزید گرد آلود فضا ہو جاتی ہے۔ پنکھا کھولتے ہی لگتا کہ آندھی چل پڑی ہے۔

فرزانہ کو کچن میں کچھ نہ کچھ کرنے کی عادت تھی۔ برتن دھو دیتی (توڑتی زیادہ) آلو کے چپس بنا دیتی، آملیٹ بھی بنا دیتی، کبھی جل جاتا، کبھی کچا رہ جاتا۔ نانا کو آرام ہو گیا تھا۔ سب سے مشکل کام تو برتن دھونے کا تھا۔ دوہرا فائدہ۔ برتن دھل جاتے اور کم بھی ہوتے جاتے۔ نانا مزے سے سلائی کرتے، کتاب پڑھتے اور سوتے، مگر ایک دن انہیں چائے بناتے وقت احساس ہوا کہ بیک وقت دو مگ دستیاب نہیں۔ ایک طرح کی دو پلیٹیں بھی موجود نہیں۔ برتنوں کی گمشدگی کے اعلان کے ساتھ انہوں نے چائے گلاس میں بنائی۔ نواسا اس غیر پشیمانی حرکت پر جز بز ہوا۔

"تو پہلے تلاش کرتے مل ہی جاتا دوسرا مگ۔ کوئی جنات تو گھر میں نہیں ہیں جو اٹھا کر لے گئے۔ آپ خود اس قدر بھلکڑ ہو گئے ہیں۔ پلنگ کے نیچے رکھا ہوتا، کھڑکی میں یا الماری میں بھی ہو سکتا ہے۔"

"چائے کا وقت گزر جاتا، پی کر پھر تلاش کروں گا۔" نانا بے فکر تھے۔

شہزادے نے منہ بنا کر چائے پی کیونکہ گلاس گرم تھا۔

"کبھی کبھی آپ کھانا ٹھیک ٹھاک بنا لیتے ہیں نانا! پھر اکثر بدمزہ کیوں ہوتا ہے؟"

نانا نے سلائی کرتے ہوئے عینک کے اوپر سے نواسے کو دیکھا جو مزے لے لے کر کھانا کھا رہا تھا۔ انگلیاں چاٹ رہا تھا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کسی اسکول میں۔۔۔ میرا مطلب، کوکنگ کلاس جوائن کر لیں تو روزانہ مزیدار کھانا ملے۔ یا پھر کوئی مزیدار ڈش ڈھیر سی بنا کر رکھ لیں روز کھائیں گے۔"

"کہاں رکھ لیں؟ سڑا کر کھانے سے بہتر ہے، بندہ بھوکا مر جائے کیونکہ سڑا ہوا کھانا بھی زہر ہوتا ہے۔"

"کمال ہے، یہ جو سفینہ، فرزانہ اور راحمہ کے گھر فریزر ہیں، وہ کیا دکھاوے کے ہیں؟"

نانا نے اونہہ کر کے پیٹھ کر لی۔ وہ فضول باتوں کا جواب نہیں دیتے تھے۔

"یہ آپ کیا سی رہے ہیں؟ کھانا تو کھا لیں پہلے۔"

"کھاؤں گا اگر تم سے بچا۔ اور یہ تمہاری وہ قمیص سی رہا ہوں جو تم نے اپنے وحشی دوستوں کے ساتھ کبڈی میں پھاڑی تھی۔"

"دکھائیں۔ وہ قمیص تو میری فیورٹ تھی۔ ہاہا۔ پہن کر نکلتا ہوں تو۔۔۔ ہر کھڑکی سے سرد آہوں کا طوفان میرا پیچھا کرتا ہے۔"

نانا کو نواسے کی اسی شیخی اور خوش فہمی سے چڑ تھی۔

"وہ سرد آہوں کا طوفان نہیں ہوتا۔ ابکائیوں کی آواز ہوتی ہے کیونکہ جتنی بدبو اس قمیص میں ہے، اتنی ہمارے گٹر میں نہیں ہے۔"

نانا کا خشک لہجے میں دیا ہوا اندازہ نواسے کو شرمندہ کر گیا۔ اس نے قمیص ان کے ہاتھ سے لے کر بغور جائزہ لے کر منہ بنا لیا۔ پھر قمیص واپس ان کے سامنے رکھ کر بولا۔

"یہ کیا؟ یہ قمیص سی رہے ہیں آپ یا دریائے نیل کی لہروں کو آپس میں جوڑ رہے ہیں۔ یہ لہر در لہر، موج بہ موج ٹانکے، نانا آپ کو سلائی اسکول میں ٹریننگ لینا چاہیے تاکہ سیدھا ٹانکا تو آ جائے۔ کیا واقعی نانی جان نے آپ کو کچھ نہیں سکھایا؟"

"بہت کچھ سکھایا تھا مرحومہ نے۔ درگزر، صبر و استقامت، تحمل و برداشت۔"

"تو پھر۔۔۔ وہ سب کہاں ہیں؟" نواسا شدید حیران تھا۔

"سب تم پر خرچ کر رہا ہوں، کر چکا۔ کھانا کھا لیا ہو تو برتن دھو کر رکھ دو۔ فرزانہ آج کل نہیں آ رہی، چلو اٹھاؤ برتن۔"

"آپ کو بھی تو کھانا ہے ابھی۔ ایک ساتھ ہی برتن اٹھاؤں گا۔" وہ نلکے سے ہاتھ دھو کر آیا اور بولا۔ "اچھا چلتا ہوں، ٹائم دیا ہوا ہے دوست کو۔"

وہ کمرے یا گھر سے ہی نکل گیا۔ نانا نے سرد آہ بھر کر قمیص نیچے رکھ دی اور گاؤ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ اور با آواز بلند سوچنے لگے۔

"کیا کیا خواب دیکھے تھے، میرا نواسا آئے گا، میری خدمت کرے گا، تنہائی بانٹ لے گا۔ ہم دوستوں کی طرح رہیں گے مگر دوست بھی ہم عمر ہو تو...... لو... اس نے تو ان گنت دوست بنا لیے۔ ایک راحمہ تو دوسری فرزانہ، سکینہ، زرینہ اور ابھی تو دو سال ہوئے ہیں، آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟ پھر وہ راحیل اور نبیل ہیں۔ جڑواں بھائی۔ لگتا ہے یہ صاحبزادے بھی ان ہی کے جڑواں ہیں۔ ایک سی عادات، ایک جیسے خیال، وہاں لاہور میں تو...... سارے گرلز کالج کے گیٹ پر کھڑے گول گپے والے، گنڈیری والے، چھولے والے اور فروٹ چاٹ والے سارے اس کے بہترین دوست تھے اور ایک گول گپے والے نے تو میرے آگے ہاتھ جوڑے کہ بابا! اپنے اس لڑکے کو لے کر چلا جا، نہیں تو لڑکیوں کی مار سے گنجا ہو جائے گا۔ ان سے بچے گا تو ادھار چاٹ کھا کر ہم لوگوں سے مار کھائے گا اور کھاتا ہی ہے۔ میں اسے ان دوستوں سے بچا کر لایا ہوں اور یہ ہے کہ احسان ماننے کے بجائے دھونس جماتا ہے۔"

وہ اٹھ بیٹھے۔

"اچھا خیر! چلو گھر تو آ جاتا ہے۔ کچھ آواز تو ہوتی ہے گھر میں، نہیں تو میں پاگل ہو جاتا۔"

کھانا سامنے رکھا تھا۔ نواسے کی پلیٹ میں ہی سالن نکال لیا۔

"واہ! واقعی مزیدار ہے۔ سکینہ کی امی کو کھانا بنانا آتا ہے۔ ان ہی سے مسالوں کی ترکیب پوچھ لوں گا اور یہ سالن شام کو کھا لوں گا۔"

انہوں نے سالن کے پیالے کو پلیٹ سے ڈھانک دیا۔

"یہ دروازہ چوپٹ کھلا ہوا ہے۔ نانا جان! دروازہ ہمیشہ بند رکھنا چاہیے۔ آج کل چور اچکوں کا زمانہ ہے اندر آ کر کچھ بھی اٹھا کر چمپت ہو جائیں، آپ کو خبر تک نہ ہوگی۔"

یہ نبیل اور راحیل تھے۔ اندر آ کر ایک ہی سانس میں تقریر جھاڑی۔ پھر خوشی کی آواز نکال کر بولے۔

"آہا، کھانا کھا رہے تھے آپ۔ ہمیں بھی بھوک لگی ہے۔"

نبیل تو بولا ہی تھا۔ راحیل نے سالن کا پیالہ اٹھا لیا۔ ڈبے سے روٹی نکال کر کھڑے کھڑے کھانے لگا۔ ساتھ ہی ایک دو لقمے راحیل کے منہ میں بھی ڈال دیتا۔ سالن کا پیالہ صاف کر کے نیچے رکھا اور مئودب انداز میں بولا۔

"نانا جان! شہزادے صاحب کی تشریف کہاں گئی ہے۔ ہمیں بلا کر خود غائب ہو گئے۔"

نانا نے دونوں کو گھورا۔ ان کی طرف سے پیٹھ کر کے خفگی سے گویا ہوئے۔

"کسی کو ٹائم دیا ہوا ہے انہوں نے، تم لوگوں کی طرح بے کار نہیں ہیں کہ آوارہ پھریں۔"

نبیل نے معنی خیز انداز میں راحیل کو گھورا۔

"او ہو۔ ہم کو ٹائم دیا تھا شاید بھول گئے۔ جب یاد آئے گا تو آ جائیں گے۔ ہم کمرے میں ان کا ویٹ کر لیتے ہیں۔"

دونوں شہزادے کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

"سنو! یہ برتن اٹھا کر لے جاؤ۔ دھو کر رکھ دو۔" نانا نے بے مروتی کی حد کر دی۔

نبیل برتن اٹھا کر کچن میں لے گیا۔ نانا طمانیت سے لیٹ گئے۔ نبیل کچن سے نکلا تو اسے بھی سنا دیا۔

"چار ماسیاں نکال چکا ہے۔ کسی کی شکل پسند نہیں کسی کا کام، کسی کی آواز پسند نہیں، کسی کی ہنسی سے بدکتا ہے۔ ارے بابا! کہاں سے ایسی کام والی لاؤں جو شکل کی بھی اچھی ہو، چال بھی مناسب اور شریفانہ ہو، سنجیدہ بھی ہو، محنتی بھی۔"

نبیل نے رک کر نانا کا شکوہ سنا اور پھر سوچ کر بولا۔

"اچھا ابھی سوچتے ہیں کہ ایسی ماسی کہاں مل سکے گی۔"

وہ سوچنے کے لیے کمرے میں چلا گیا جہاں اس کا

بھائی تیز آواز والا میوزک سن رہا تھا (اپنی بے سری آواز بھی اس میں شامل تھی) کچھ دیر بعد واقعی شہزادہ آ گیا۔ تینوں کمرے میں زور زور سے باتیں کرنے لگے، قہقہے لگانے لگے۔ زور سے اس لیے بھی بولنا ضروری تھا کہ تیز میوزک سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس دن صبح صبح لاؤنج میں ناشتہ میز پر رکھ کر نانا آلو چھیلنے لگے دوپہر کے کھانے کے لیے۔ تب ہی ایک نک سک سے درست لڑکی شرماتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ نانا نے حیرت سے دیکھا۔

"کیا بات ہے؟ آپ کون ہیں، کس سے ملنا ہے؟ (یہ نئی شکل۔ نئی دوست)

لڑکی نے دوپٹے کا پلو دانتوں میں دبا لیا اور نیچی نظروں سے شرما کر بولی۔

"میں جی، رشیدہ ہوں۔ آپ بھول جاتے ہیں۔ کل میں نے آپ سے فون پر بات کی تھی۔ میں وہی ہوں۔ آپ آلو کاٹ رہے ہیں؟ ارے لائیے، میں کاٹ دیتی ہوں۔"

پھر جھجک کر بولی۔ "شہزادے صاحب کیا سو رہے ہیں ابھی تک؟"

اس نے آلو نانا کے ہاتھ سے لے کر چھیلنے شروع کر دیے۔ شہزادے نے اندر آ کر اچٹتی نظر اس پر ڈالی۔ وہ یقیناً اس کی بات سن چکا تھا۔ ابرو اچکا کر بولا۔

"یہ آلو تم اپنے گھر لے جاؤ، پکا کر لے آنا اور ہاں اس میں گوشت ضرور شامل کر لینا۔ اب جاؤ، مجھے ناشتہ کرنا ہے۔"

رشیدہ نے کن انکھیوں سے شہزادے کو دیکھا اور جھینپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں جی! میں نے منع کیا ہے کیا؟ آپ کریں ناشتہ۔"

"میں غیروں، اجنبیوں کے سامنے کچھ کھاتا پیتا نہیں ہوں۔"

کہہ کر اطمینان سے اس نے توسٹ اٹھا کر انڈے کے ساتھ کھانا شروع کر دیا۔ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ کھا رہا تھا۔ چائے پی رہا تھا۔ اسے اپنے الفاظ یاد نہ تھے شاید۔ وہ بے رخی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ رشیدہ آلو اٹھا کر چند منٹ منتظر نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر منہ پھلا کر باہر نکل گئی۔

نانا تاسف سے سر ہلا کر بولے۔ "بیٹا! کسی کا دل نہیں توڑنا چاہیے۔"

"نانا! آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار نہیں ہیں۔" شہزادہ چائے پی کر بولا تھا۔ "میرا مطلب ہے، دل کے معاملات میں زیادہ جانتا ہوں۔ کب دل ٹوٹتے ہیں اور کیسے جڑ جاتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ میں تم سے عمر اور تجربے میں زیادہ بڑا ہوں۔"

"عمر بڑی ہونے سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ تجربہ زیادہ ہے۔ آپ نے اپنی عمر گھر میں نانی جان سے لڑتے جھگڑتے گزاری ہے۔ سنا ہے بہت سخت گیر شوہر تھے آپ۔ پابندیوں میں نانی جان نے ایک اذیت ناک سمجھوتے کے تحت زندگی گزاری۔ آپ کو دل کے معاملات کی خبر نہ تھی ورنہ سب سے پہلے نانی جان کا دل رکھتے۔"

نانا نے غصے سے نواسے کو گھورا۔ "اچھا۔ تمہیں یہ معلومات تمہاری ماں نے پہنچائی ہیں کیا؟"

"جی نہیں، میرا اندازہ۔ اور میرے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔" شہزادہ بہت مطمئن تھا۔

"برخوردار! زندگی کے معاملات کا اندازہ ابھی تمہیں نہیں ہے۔ جب عملی میدان میں قدم رکھو گے تو پتا چلے گا کہ عمر کیسے گزاری جاتی ہے یا زندگی کیسے۔ رہ گیا تمہاری نانی کا معاملہ تو سنو وہ ایک شریف، نیک نفس اور با محبت مخلص خاتون تھیں۔ میں ان سے کس لیے لڑتا۔ انہوں نے تو مجھ سے، میرے گھر اور خاندان سے، میرے بچوں سے اس قدر محبت کی۔ اتنی خدمت کی کہ میں اگر چاہوں بھی تو ان احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔"

نانا پر رقت طاری ہو رہی تھی۔ شہزادہ گھبرا گیا۔ وہ

اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھا اور ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "اوہو کتنے جذباتی ہیں آپ۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ایک افسانہ پڑھا تھا اسی کے ڈائیلاگ تھے۔ سوری نانا!"

نانا خفگی سے گھور کر رہ گئے۔ لاڈلا جو تھا۔ اسی وقت سکینہ اندر آئی۔ فل میک اپ میں تھی۔ آتے ہی اس کی نظر ناشتے کے برتنوں پر جم کر رہ گئی۔

"ہوں، ناشتہ ہو رہا ہے اور صفائی ہوئی نہیں۔ آپ لوگ اتنی گندگی میں کس طرح کھا پی لیتے ہیں؟" وہ لہجے کو حیرت میں سمو کر بولی۔

"جس طرح تم صبح اٹھ کر منہ دھوئے بغیر پالش کرتی ہو، چہرے کو۔" شہزادہ منہ بنا کر بولا۔

"جھاڑو کہاں ہے؟ میں ابھی صفائی کر کے گھر چمکاتی ہوں۔" برا مانے بغیر سکینہ نے کہا۔

"جھاڑو ادھر کونے میں ہے۔ تم خود رکھ جاتی ہو اور ہر دفعہ انجان بن کر پوچھتی ہو۔"

"بیٹا! تمہارا میک اپ خراب ہو جائے گا۔" نانا نے کہا۔

"نانا! غلط مشورے نہ دیا کریں۔ صفائی نصف ایمان ہے۔" شہزادے نے سکینہ کو دیکھ کر کہا۔

سکینہ جھاڑو لے آئی اور صفائی کرنے لگی۔ اسی وقت فرزانہ اندر آئی۔ سکینہ کو تیکھے تیوروں سے دیکھ کر بولی۔

"ہونہہ! برتن اٹھائے نہیں اور دھول اڑانے لگی۔ کام کے لیے کوئی سلیقہ بھی چاہیے ہے' آ گئیں۔"

وہ برتن اٹھا کر ناز بھرے انداز میں شہزادے کو دیکھ کر بولی۔

"میں تو..... منٹوں میں سارا کام کر لیتی ہوں۔"

شہزادہ اکتا کر اندر چلا گیا۔ اسے سکینہ یا فرزانہ سے دلچسپی نہ تھی مگر مجبوری تھی کہ وہ کئی کام کر جاتی تھیں۔ ورنہ نانا کو زحمت ہوتی۔ ماسی کوئی اسے پسند نہ آتی تھی۔ فرزانہ برتن کچن میں لے گئی، سکینہ جھاڑو لگاتی رہی۔ شہزادے کے کمرے کی صفائی کے لیے وہ اندر گئی تو شہزادے کی دھاڑ سن کر نانا بھی ڈر گئے۔ سکینہ فوراً ہی نمودار ہو کر بولی۔

"لو نیکی کر چولہے میں ڈال۔ ایک تو صفائی کر رہی ہوں اوپر سے خفا ہوتے ہیں کہ میرے کمرے میں گرد نہ اڑاؤ۔"

"بیٹا! تم محاورہ غلط بول گئیں۔ اسے کہتے ہیں، نیکی برباد گناہ لازم۔"

نانا کو بے چاری سکینہ پر ترس آ گیا۔ کس قدر تیار ہو کر آئی اور جھاڑ پڑ گئی۔ بہت ہی بے مروت ہے شہزادہ مگر ان کو ہمدردی کا موقع نہ ملا۔ کچن سے چھن چھن چھناک، برتن ٹوٹنے کی آوازوں نے اوسان خطا کر دیے۔

"لو۔ اور کرواؤ ان شہزادی سے کام۔"

سکینہ جھاڑو رکھ کر کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ طنزاً کچن کی طرف دیکھ کر بولی۔

"نانا جی! چینی شیشے کے برتن تو....." پھر چھناک کی آواز ساتھ ہی فرزانہ کی اوہو۔ نانا خوفزدہ انداز میں کچن کے دروازے کو گھورنے لگے۔ سکینہ نے جملہ پورا کرنا ضروری سمجھا۔

"توڑے بغیر دھو ہی نہیں سکتی۔ اسی لیے اس کی امی اسٹیل کے برتن استعمال کرتی ہیں۔ گلاس اور پیالیاں پلاسٹک کی۔"

شہزادہ نے اندر سے باہر جھانکا۔ "کیا پھر کوئی نئی ماسی رکھ لی آپ نے۔ برتنوں کی دشمن۔"

"نہیں، مگر رکھنی پڑے گی۔" نانا اداس تھے۔ برتن اب قریب الختم تھے اور فرزانہ.....

شہزادہ سرخ ٹی شرٹ اور کالی پینٹ میں باہر آ کر نانا سے مخاطب ہوا۔

"فکر نہ کریں، لے آؤں گا برتن۔" اس نے گلے میں سونے کی زنجیر پہنی ہوئی تھی۔ اس کی گوری رنگت پر سرخ رنگ کھل رہا تھا۔ نانا فخر آمیز مسکراہٹ سے نواسے کی وجاہت کی داد دے رہے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

"نانا جان! میرے کمرے میں کچھ کپڑے رکھے

ہیں، مرمت کے لیے۔ جا کر لے آئیں۔ بلکہ وہیں بیٹھ کر دیکھ لیں۔ کسی میں بٹن نہیں، کسی کے کاج پھٹ گئے ہیں۔" اس دن اس نے آ کر فرمائش کر ڈالی۔

"کاج پھٹ گے ہیں؟ ان کو کیسے جوڑا جائے گا؟" نانا پر تو سن کر ہی تھکن طاری ہو گئی۔

"جیسے ٹوٹے ہوئے دل جوڑے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح۔"

"خبیث! یہ تمہارے جنگلی دوست، کشتی لڑ لڑ کر کپڑے پھاڑتے ہیں۔ یقیناً انہوں نے ہی گریبان پکڑا ہو گا۔ ان ہی کو دو، خود ہی سلوا کر دیں گے۔ واہ، میں فالتو ہوں کہ بیٹھا کپڑے سیتا رہوں۔" نانا نے خفگی سے منہ موڑ لیا۔

"نانا! میرے عزیز ترین، جان سے پیارے نانا۔" شہزادہ لاڈ میں ان سے لپٹ گیا۔

"دیکھیں اگر آپ نہیں کریں گے میرے کام تو کون کرے گا؟ میرا یہاں ہے ہی کون؟"

"خوشامدی ٹٹو۔" نانا کے لبوں پر شفقت آمیز تبسم پھیل گیا۔ "یہ جو زرینہ، مرینہ، فرزانہ مرجانہ اور آدھی درجن سہیلیاں پالی ہیں تم نے، ان سے کبھی تو یہ عورتوں والا کام کروا لیا کرو۔ جھاڑو سے گرد اڑانا آتا ہے، برتن دھونے سے زیادہ توڑتی ہیں، اس دن زرینہ نے چائے بنائی، چولہا پھونک مار کر بجھا دیا، گیس نکلتی رہی۔ وہ تو خیر ہوئی کہ مجھے بو سے اندازہ ہو گیا کہ گیس خارج ہو رہی ہے ورنہ..... ماچس جلاتا تو پورا گھر اڑ جاتا۔ بعد میں پتا چلا کہ محترمہ کے گھر تیل کا چولہا ہے۔ وہ اسی طرح بجھایا جاتا ہے۔"

"بعد میں کیسے پتا چلا؟ یقیناً آپ نے سکینہ سے اس کی شکایت کی ہو گی۔ اسی نے یہ خبر دی ہے۔ نانا! بہت افسوس کی بات ہے۔ ادھر کی ادھر لگانے کی عادت آپ نے کس سے سیکھی۔ چہ چہ چہ۔"

"ہاں! افسوس تو مجھے بھی ہوا بعد میں۔ وہ سب جگہ کہتی پھرے گی مگر اس وقت اتنا غصہ تھا مجھے کہ وہ سامنے ہوتی تو اس کی پٹائی کر دیتا۔" نانا شرمندہ تھے۔

"ہمارا گھر شاہی سرائے بنتا جا رہا ہے جہاں نت

منے لوگ آکر دھرنا دیتے ہیں۔ سیاست کے داؤ پیچ ہوتے ہیں، سازشیں عمل میں لائی جاتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔" شہزادے نے خیال انگیز لہجے میں کہا۔ وہ آج کل آغا حشر کے ڈرامے پڑھ رہا تھا۔

"ہائیں، سازشیں کیسی؟ برخوردار کھل کر بات کرو۔" نانا چونکے۔

"آپ نے ابھی تک میرے مرمت طلب کپڑوں کا معائنہ نہیں کیا۔ نانا! آخر آپ اتنے سست کیوں ہیں، پلیز توانائی کو کام میں لائیں آخر میں ہارلیکس، اوولٹین، انرجائل وغیرہ کس لیے لاتا ہوں کہ آپ کی توانائی بحال رہے۔" شہزادہ فوراً بات کو ٹال گیا۔ نانا کو بہلانا کون سا مشکل تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

اور اس دن بھی گرد سے اٹے لاؤنج میں نانا کرسی پر بیٹھے سلائی کر رہے تھے۔ گنگنا رہے تھے۔ چند منٹ پہلے رشیدہ اپنے چھوٹے بھائیوں کے ہمراہ آئی تھی۔ اس نے چائے بنائی۔ خود پی اور بھائیوں کو بھی دی۔ چونکہ تین کپ چائے تھی، ایک نانا نے لے لی۔ ایک کپ پر بھائیوں کی چھینا جھپٹی ہوئی، نتیجہ صاف ظاہر ہے پیالی گر کر ٹوٹ گئی۔ ساتھ ہی رشیدہ کے ہاتھ سے مگ بھی دھکم دھکا میں نیچے جا گرا۔ شرمندہ اور متاسف رشیدہ بھائیوں کو ہانک کر لے گئی۔ برتنوں کی کرچیاں نیچے پڑی رہیں۔ نانا کچھ دیر اداس بیٹھے دیکھتے اور سوچتے رہے پھر نواسے کے کپڑوں کا خیال آگیا۔ سوئی انگلی میں چبھی تو سی کر کے رہ گئے پھر بلند آواز سے سوچنے لگے۔

"کیسا وقت آپڑا ہے کوئی کسی کا ساتھی نہ غم خوار، نفسا نفسی کا عالم ہے۔" منہ میں انگلی ڈال کر چوسنے لگے۔

پھر یاد آیا کہ ابھی تو نواسے کے موزے اور بنیان دھونے ہیں ورنہ طعنے دے گا کہ مجھے اس کا خیال نہیں۔ میری شامت نے آواز دی تھی کہ اسے لاہور سے لے آیا۔ ایسا نکما نواسا اللہ کسی دشمن کو نہ دے۔ شہزادہ سیٹی بجاتا اندر آیا۔ سامنے گرد اور ٹوٹے برتنوں کو دیکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"اف۔ یہ گھر ہے؟ یا کباڑ خانہ۔ پھر توڑ دیں آپ نے پیالیاں۔ کتنی دفعہ سمجھاؤں نانا کہ سنبھال کر کام کیا کریں۔ کتنی گندگی ہے۔ اس گھر کو ایک عورت کی اشد ضرورت ہے۔"

"کس عورت کی؟ کام والی کئی ماسیاں آئیں اور چلی گئیں۔ تم خود نکال دیتے ہو۔"

"تو اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ اگلی بار پھر نہیں نکالا جا سکتا۔ لیکن صفائی بہت ہی ضروری ہے جو کہ نصف ایمان ہے۔"

"ہاں وہ بھی کرلوں گا۔ ایک ذرا سی تمہاری قمیص سی لوں۔"

شہزادے نے نانا کے ہاتھ سے قمیص لے کر جانچنا چاہا۔ "اوہو۔ نانا! آپ کو آج تک سیدھا ٹانکا لینا نہیں آیا۔ چلیں خیر، کھانا کھالیں پھر اسے ادھیڑ کر درست کریں۔ اف میں تھک گیا ہوں بہت۔"

"وہیں کچن میں رکھا ہے، جا کر کھالو۔" نانا سخت بیزاری کے عالم میں قمیص پھینک کر لیٹ گئے۔

"بدنصیب دشمناں۔ طبیعت ٹھیک تو ہے؟" اب نواسے کو تشویش ہوئی۔

"ہاں بس شکر ہے خدا کا جس نے زندہ رکھا ہوا ہے، ورنہ..."

"ورنہ؟ نانا جان! فقرہ مکمل کریں ورنہ میں سخت الجھن میں گرفتار رہوں گا۔ اچھا میں کھانا کھالوں۔"

شہزادہ کچن کی طرف سدھار گیا۔ نانا نے مایوس نظروں سے اس کا پیچھا کیا پھر فوراً ہی شہزادے کی چیخ سن کر وہ گھبرا گئے۔ آواز آئی۔

"یہ پھر ٹنڈے پکالیے آپ نے؟ تین دن ہو گئے ہیں، ٹنڈوں کے سوا کوئی چیز نہیں کھا سکا۔ کیا آج بھی پڑوس سے چکھنے کے لیے کوئی ڈش نہیں آئی؟ آخر ماجرا کیا ہے؟ معلوم تو کریں۔"

اب وہ کچن سے باہر تھا۔

"سکینہ اپنی ماں کے ساتھ نانی کے گھر گئی ہے۔ فرزانہ کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا ہے۔ اپنی دیوار پر

چڑھ کر ہمارے گھر میں جھانک رہی تھی۔ اس کی چیخ سن کر ہی میں سمجھ گیا تھا کہ یہ اس کی آخری تاک جھانک ہے۔"

"اف! اتنی تفصیل بیان کرتے ہیں آپ۔ اچھا اور رشیدہ کو کیا ہوا؟" شہزادے پر فرزانہ کی کیفیت کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ وہ واقعی بے مروت تھا۔ نانا نے خفگی سے منہ موڑ لیا۔ "اس کی منگنی کے لڈو الماری میں رکھے ہیں۔ جا کر کھالو۔"

"اس گھر کے لیے عورت بے حد ضروری ہے، اہم ہے۔ میں اب برداشت نہیں کر سکتا۔"

نانا پریشان ہو گئے۔ "ایں؟ پھر کیا کرو گے تم؟"

"ایک خاتون کو گھر میں لانے کا انتظام جو اپنی سرخ سبز چوڑیوں کی موسیقی گھر میں بکھیرتی رہے۔ آہا... ہا۔" وہ آنکھیں بند کر کے موسیقی کا لطف لینے لگا۔

"مگر... تم ابھی زیر تعلیم ہو۔" نانا فکرمند تھے۔

"آپ تو تعلیم، تربیت اور فنون لطیفہ و فنون دیگر سے فارغ ہو چکے ہیں۔ آپ کو کیا اعتراض ہے؟"

نانا سٹپٹا گئے۔ "عجیب دماغ کا لڑکا ہے۔ بھلا کبھی کسی نے نانا کے متعلق ایسا سوچا بھی ہو گا؟"

"بھئی... مجھے اس عمر میں... یعنی کہ... میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ..."

"نانا! فکر نہ کریں۔ اس گھر کے سارے مسائل اس ایک عدد خاتون کی آمد کے ساتھ اڑن چھو ہو سکتے ہیں۔ آپ کی شادی اب میری ذمے داری ہے۔ آخر میں آپ کا اپنا ہوں۔"

"مگر... بیٹے شہزادے! سنو... یعنی کہ... وہ آئے گی کہاں سے؟"

"اخبار سے، یعنی کہ ضرورت رشتہ کے کالم سے۔"

شہزادہ اب نانا کی شادی کی تگ و دو میں مصروف تھا۔ اس کے دوست راحیل اور نبیل بھی اس کے ساتھ اخبار کا باریک بینی سے مطالعہ کرتے۔ پھر تینوں رشتوں پر تبصرہ کرتے۔ دونوں کھانا بھی شہزادے کے ساتھ کھایا کرتے اور نانا بے چارے پکا پکا کر ہلکان ہو جاتے اور دل میں نواسے کی ذہانت کی داد دیتے کہ اس گھر کو ایک عورت کی واقعی ضرورت تھی۔

اخبار میں ایک چالیس سالہ "امریکہ" میں مقیم گرین کارڈ ہولڈر خاتون کا ضرورت رشتہ کے کالم میں اشتہار آیا۔ شہزادہ اچھل گیا۔

"واہ امریکہ کی مفت میں سیر، تفریح، عیش ہی عیش، بھلا نانا نے کبھی کالے کو برف گرتی دیکھی ہوگی۔ فلموں کے سوائے "امریکہ" میں وہ اپنی بیٹی سے بھی مل سکیں گے۔"

نانا بھی خوش ہو گئے کہ ان کے نواسے کو ان کا کتنا خیال ہے۔ لائق نواسا "اسے گھر کے مسائل کی کس قدر فکر ہے۔

مگر راحیل، نبیل نے اس رشتے کو ریجیکٹ کر دیا۔ "نانا تو بیگم کے ہمراہ امریکہ چلے جائیں گے۔ اس گھر کا کیا ہوگا۔ گھر کی صفائی، کھانا پکانا، کپڑوں کی درستی وغیرہ کون کرے گا۔"

اب تو پڑوس کی لڑکیوں نے بھی آنا جانا بند کر دیا تھا کیونکہ شہزادہ ان کے ہر کام میں کیڑے نکالتا تھا۔ جو انہیں پسند نہ تھا۔

نانا نے عارضی طور پر ایک ماسی رکھ لی تھی۔ اس کا نام غفورن تھا۔ کالی سیاہ تھی۔ بھینگی بھی تھی۔ شہزادے کو اس پر بھی اعتراض تھا مگر وہ ان دنوں اخبار میں مصروف تھا۔ دوسرے یہ کہ کھانا مل جاتا تھا، صفائی ہو جاتی تھی۔ مگر نانا کو راحیل، نبیل کی آمد اور ان کے لیے رشتے کی تلاش میں دلچسپی ذرا پسند نہ تھی۔ اکیلے ہوتے تو انہیں ڈانٹ دیتے یا خفگی سے منہ پھیر لیتے۔ شہزادے کے سامنے البتہ وہ ان سے بے اعتنائی برتنے سے پرہیز کرتے کیونکہ ان کا لاڈلا نواسا اپنے عزیز ترین دوستوں کی عزت کا خاص خیال رکھتا تھا۔ گو کہ وہ ان ہی کی وجہ سے شادی سے کئی بار انکار کر چکے تھے تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہو اور راحیل، نبیل کی آمد و رفت محدود ہو جائے۔ مگر شہزادے کو دھن سوار تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ۔

"نانا آپ کی شادی بیس سال کی عمر میں ہو گئی تھی

چار سال میں آپ دو بچوں کے باپ بن گئے چالیس سال کی عمر میں نانا بن گئے جب کہ آپ کے ساتھی غفار انکل چالیس سال میں بمشکل باپ بنے تھے۔ ان کا بیٹا میرا کلاس فیلو ہے۔ آپ کا تو کچھ بگڑا ہی نہیں۔ ابھی بمشکل تمام آپ ساٹھ سال کے ہیں' یہ بھی کوئی عمر ہے بوڑھا ہونے کی۔ اچھے خاصے جوان جہان' زیادہ سے زیادہ میرے چچا لگتے ہیں۔ شادی آپ کا اخلاقی قانونی حق ہے۔ بلکہ فرض ہے آخر آپ مجھے ایک جوان نانی سے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہیں۔"

اس کی تقریر تو بہت طولانی تھی مگر نانا نے روک دیا اور "بنی" کا عذر کیا کہ وہ سنے گی تو کیا کہے گی۔ نواسے نے آنکھیں نکالیں۔

"وہ کیا کہیں گی۔ امی خوش ہوں گی انہیں تو مفت میں پلی پلائی جوان اماں مل جائے گی۔ میکہ از سر نو آباد ہو رہا ہے۔ انہیں بھلا کیا اعتراض۔"

♥ ♡ ♡ ♥

اور آخر شہزادے کی کوششیں رنگ لائیں۔

"نانا جان!" وہ خوشی سے چھلانگیں مارتا آیا۔ "وہ بیٹھے گھر میں لڑکی موجود اور میں آپ کو خوامخواہ امریکہ بھیجنے کی غلطی کرنے لگا تھا۔" اس کا سانس پھول گیا تھا مارے خوشی کے۔

"کیا کہا؟ گھر میں....؟" نانا اچھل پڑے "میں ہرگز اس غفورن سے شادی نہیں کروں گا۔ یہ وقعت ہے میری تمہاری نظر میں۔"

"مگر نانا جان!" وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر نانا کو غصہ آگیا تھا' سننے پر تیار نہ تھے۔

"اس کی وہ ترچھی آنکھیں' میرے خدا' میری طرف دیکھے گی تو اس کی پتلیاں تمہاری طرف ہوں گی۔ میں تو رقابت میں مبتلا ہو کر کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

"مگر.... نانا جان...." وہ بوکھلا کر کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر نانا سننے پر تیار نہ تھے۔ بولے جا رہے تھے۔

"وہ تم نے برخوردار! میرا غصہ دیکھا کہاں ہے۔ اللہ بخشے اپنی نانی سے پوچھتے کانپتی تھیں وہ۔"

اخبار سامنے آیا تو نانا چونکے۔ شہزادے کی انگلی کے نیچے اشتہار موجود تھا۔ "ایک بیوہ کو زمین جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے" "ایک عدد شوہر درکار تھا۔"

"مگر میں جائیداد کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا" وہ صاف انکاری ہو گئے۔"

"وہ میں کر لوں گا' آپ اپنا گھر بسانے کی فکر کریں۔ ایک پنتھ دو کاج' کیسا؟"

نانا نے غور کیا۔ تو یہ رشتہ کچھ اتنا برا بھی نہ تھا۔ نواسے نے اصرار کیا۔ وہ مان گئے۔ اب شہزادے کو دوستوں کے مشورے کی ضرورت پڑی۔ وہ آئے تو نانا کو بہت ناگوار ہوا۔

"مصیبتیں ساتھ لگا لاتا ہے۔" انہوں نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

مگر اس دن شہزادے نے بردکھوے کا انتظام کر رکھا تھا' دوستوں کی مدد ضروری تھی۔ لاؤنج کی از سر نو صفائی' اس میں ایک عدد صوفے کی گنجائش نکلی۔ تخت پر نئی چادر' گاؤ تکیے کا غلاف نہ ملا تو اسے بھی ایک چادر سے ڈھانک دیا گیا۔ شہزادہ کھانے پینے کا سامان لے آیا۔ نانا کو بھی اجلے کپڑے پہننے کی تاکید کی گئی۔ کیونکہ وہ چار دن سے پہلے تو لباس تبدیل کرنے کے عادی نہ تھے۔ بلکہ جب تک کپڑے اچھی طرح سے میلے نہ ہو جائیں' انہیں جسم سے جدا کرنا لباس کی بے وقعتی سمجھتے تھے بھی بھی دھوبی بھی درخواست کرتا۔

"میاں جی! کچن میں ایپرن پہن لیا کریں۔ اور شلوار پر لنگی باندھ لیا کریں تاکہ ان پر دھبے نہ پڑیں۔ اور ایک صافی بھی رکھا کریں دیگچیاں پکڑنے اور چولہا صاف کرنے کے لیے۔

مگر نانا چونکہ لباس کے قدردان تھے۔ اس لیے دھوبی کو ڈانٹ پڑ جاتی' لیکن بردکھوے کے لیے وہ پچھلے دن کا لباس اتارنے اور نیا جوڑا پہننے پر راضی ہو گئے۔ اجلا' کلف میں اکڑا ہوا۔ اوپر سے سیاہ کوٹی بھی نواسے نے پہنا دی۔

وقت مقررہ پر وہ محترمہ آگئیں' کافی ایڈوانس اور دنیاداری کا تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں۔ پہلے انہوں نے گھوم پھر کر مکان کا جائزہ لیا۔ بیڈ روم بھی جھانکے۔ کچن میں غفورن موجود تھی۔ وہ لاؤنج میں آکر بیٹھیں تو ان کی نظر دیوار پر بلبوں کی تصویر پر پڑ گئی۔ چیخ مار کر اچھلیں اور شہزادے سے کہا "اسے اتارو۔"

"آپ اس طرف آجائیں۔" شہزادے نے فوراً ان کو تخت پر بیٹھنے کی ہدایت کی۔

صاحبہ نے شہزادے سے کہا۔ "تم تو کافی سمجھ دار ہو۔ مگر.... عمر کیا ہے تمہاری؟"

"جی.... جی.... ہوگی یہی کوئی....." شہزادہ مدد طلب نظروں سے دوستوں کو دیکھنے لگا۔

"یہی کوئی پندرہ یا کہ سولہ کا سن امنگوں کی راتیں مرادوں کے دن"

یہ شعر نانا نے اندر داخل ہوتے وقت پڑھا۔ محترمہ سوالیہ نظروں سے شہزادے کو دیکھنے لگیں۔ نانا کا تعارف کرایا گیا۔ راحیل چائے اور کیک پیسٹری لے آیا۔ سب نے دل کھول کر بلکہ بے تکلفی سے محترمہ کا ساتھ دیا۔ نانا گھورتے رہے مگر کچھ بول نہ سکے۔ کھا پی کر محترمہ نے مسکراتے ہوئے نانا کی طرف منہ کیا اور بولیں۔

"ہاں تو بزرگو پھر آپ کی کیا رائے ہے میرے بارے میں؟"

نانا منہ کھول کر ہنس پڑے۔ "میں کیا میری رائے کیا' یہ بیٹھا ہے میرا نواسہ' اسی کو زیادہ علم ہے میرے بارے۔ تاں' یہی بتائے گا۔ آپ کی کیا رائے ہے میرے بارے میں؟ کیا میں آپ کے لیے.....؟"

محترمہ منہ کھول کر رہ گئیں۔ کئی منٹ بعد اصل ماجرا سمجھ میں آیا تو اکڑ گئیں۔

"کیا.... کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کیا میں آپ کو بڈھی نظر آتی ہوں۔ میں تو آپ کے نواسے کو..... خیر۔"

انہوں نے اپنا پرس اٹھایا اور بڑبڑاتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ شہزادہ دوستوں کو دیکھ کر ہنسا۔

"تو سن لیا' میرے نانا جان انہیں بوڑھے نظر آئے۔ اور اپنی عمر' خو خو خو' وہ تو میری اصلی نانی لگتی ہیں۔ میں نے تصور میں انہیں اپنی نانی کے روپ میں دیکھا۔ ہو بہو نانی جان۔"

"چھوڑو بیٹا! اب میں کہاں ان چکروں میں پڑوں گا۔" نانا شدید مایوسی کے عالم میں ہونٹ چبانے لگے۔ "میری کوئی عمر ہے چونچلوں کی۔ تمہاری نانی کی روح بھی مجھ سے ناراض ہو گئی ہوگی۔"

"کچھ نہیں ہوتا' ہمیں اس گھر کے لیے ایک عورت کی ضرورت ہے اور بس....."

شہزادہ پھر دوستوں کے نرغے میں آگیا۔ وہ کمرے میں گھس کر جانے کیا سازشیں کیا کرتے۔ نانا کو ان سے سخت بیزاری ہو گئی۔ جب دیکھو تیز آواز میں میوزک سنا کرتے۔ کم بختوں کو اتنا علم نہیں کہ اس میوزک کے شور نے آسمان پر تھگلی لگا دی ہے۔ آسمان پھٹنے لگا ہے کوئی دن جاتا ہے کہ قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ جب آسمان میں سوراخ ہونے لگے گا تو ایک دن ایسا ہی ہوگا مگر یہ نئی نسل کس قدر بے تکی بے ڈھنگی اور لاپرواہ ہے کہ بس۔

پھر ایسا ہوا کہ شہزادے نے از خود ایک اشتہار دوستوں کی مدد سے بنا کر اخبار میں بھیجا۔ اخبار آیا تو تینوں دوست اچھلتے کودتے آئے۔

"انکل انکل جی! سنیے ہم نے جو اشتہار دیا تھا۔"

"انکل کون؟" نانا سخت جز بز ہوئے۔ انہیں اشتہار سے دلچسپی نہ تھی۔

"انکل یعنی آپ.....؟ کیونکہ ایک رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ نانا کا رشتہ راس نہیں آتا آپ کو۔"

"آج سے آپ میرے بھی انکل ہیں۔" شہزادے نے کہا۔ "اشتہار آچکا' رابطے کے لیے' اپنا فون نمبر دے دیا ہے۔ جونہی گھنٹی بجے' آپ فون ریسیو کریں اور کہیں حشمت علی خان اسپیکنگ۔"

اسی دن فون کی گھنٹی کی تیز آواز نے سب کو چونکا دیا۔ راحیل' نبیل پھسلتے ہوئے کمرے میں بھاگے۔ شہزادہ بھی دوڑ گیا۔ فوراً ہی ہنستے ہوئے واپس آئے۔

"نانا جان! مبارک ہو۔" شہزادہ مارے خوشی کے

ان سے لپٹ گیا۔ "رشتہ طے ہو گیا۔"
نانا افسردہ ہو گئے۔ "چھوڑو بیٹا! لوگ کیا سوچیں گے۔ بڑھاپے میں میری بے عزتی..... تم ہی کر لو شادی۔ تعلیم بھی جاری رہے گی۔ میں اتنا گیا گزرا نہیں کہ دو آدمیوں کا خرچ پورا نہ کر سکوں۔"
"نانا جان! دو آدمیوں کا خرچ، جی نہیں۔ ایک عورت دس آدمیوں کا خرچا کراتی ہے۔ میک اپ کا سامان، بے شمار کریمیں، قسم قسم کے لوشن، نت نئے جوتے، سینڈلیں، اور مہنگے مہنگے..." وہ دانتوں تلے زبان دبا کر منہ پر تھپڑ مارنے لگا۔
نانا اخراجات کی تفصیل سن کر گھبرا چکے تھے۔ سرد آہ بھر کر بولے۔
"چلو پھر میں ہی کر لیتا ہوں۔"

♥ ♡ ♡ ♥

رخسانہ کی مجبوریاں وہ خود ہی زیادہ جانتی تھی، دنیا کو کیا علم، اس پر کیا گزرتی ہے یا گزر چکی ہے۔ شادی کے چند سال بعد ماں باپ دنیا سے گزر گئے۔ ان کے بعد شوہر بھی وفات پا گیا۔ ایک ہی بیٹی تھی، اسے لے کر بھائی کے گھر چلی آئی۔ اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ اتنی تعلیم نہ تھی کہ کہیں چھوٹی موٹی جاب کر کے بیٹی کو پال لیتی۔ بھائی تو ماں جایا تھا۔ مگر بھابھی تو ماں جائی نہ تھی۔ اور برے وقت کا کون ساتھی۔ بہن ہوتی تب بھی شاید ساتھ نہ دے دیتی۔ چند سال میں ہی بھابھی اس سے بیزار ہو گئی۔ گھر میں ہر وقت تنی، تناتنی رہنے لگی۔ بھائی کا سکون بھی غارت ہو گیا۔ عجیب ماحول تھا، گھر کے سارے کام کرتی۔ ہر ایک کی جی حضوری کرتی مگر خوش کوئی نہ تھا۔ ثنا بھی اس ماحول سے دل برداشتہ رہتی۔ جب اس کے پڑھنے کا وقت ہوتا، ممانی کو خاص طور پر اس کی اشد ضرورت ہوتی۔
"ثنا! ادھر آؤ، کتنی گرد ہے، ڈرائنگ روم صاف کر کے میرے کمرے کی صفائی کرو، کیا تمہیں نظر نہیں آتا۔ کس قدر گندگی ہے۔ میرا تو گرد سے حال خراب ہو جاتا ہے۔ زیبی بھی الرجی سے مجبور ہے۔ اسی گھر میں رہتی ہو، کبھی تو گھر کا کام کر لیا کرو۔"
یا.....
"میرے سر میں درد ہے۔ ذرا تیل لگا دو، اچھی طرح لگا کر مالش کرنا۔ کپڑے نکلے رکھے ہیں۔ استری کر کے باتھ روم میں لٹکا دو۔ تیل مالش کے کچھ دیر بعد نہا لوں تو موڈ ٹھیک ہو جائے گا۔"
اور ثنا ممانی کا موڈ ٹھیک ہونے کی خاطر سب کچھ کر دیتی مگر زیبی جب دوستوں، سہیلیوں کے ساتھ قہقہے لگا رہی ہوتی اس وقت ملازموں کی طرح چائے لے جا کر رکھنا، پکوڑے بنا کر کھلانا اسے ناگوار گزرتا، اس لیے بھی کہ زیبی دوستوں کے سامنے اس کا مذاق اڑاتی۔ نقل اتارتی۔ دونوں ایک ہی کالج میں پڑھتی تھیں۔ مگر ان کی دوستوں میں فرق تھا۔ ثنا کی بس ایک دوست تھی۔ راحیلہ، وہ بھی ذہین اور پڑھنے کی شوقین تھی۔ ثنا کی طرح ثنا کو تو سیر تفریح یا ملنے ملانے کے لیے وقت ہی نہ ملتا تھا۔ راحیلہ کو شوق نہ تھا، ان کی گفتگو بھی صرف تعلیم کی حد تک رہتی۔ بحث مباحثہ بھی درسی کتب تک محدود تھا۔ اور اسی بات کا مضحکہ زیبی اڑاتی۔ اس کی سہیلیاں [illegible] کرتیں۔ ثنا کو غصہ بھی آتا مگر رخسانہ نے [illegible] سمجھایا [illegible] ہر [illegible] سکھایا۔ بلکہ وقت نے سیکھنے پر مجبور کیا۔ بڑے ہونے کے بعد تو ماموں کے گھر کا انتظام ثنا کے ہاتھ آ گیا تھا۔ ان کی مدد سے وہ بڑی بڑی دعوتوں کا انتظام بھی کر لیتی تھی۔
پھر جب ثنا نے بی اے میں فرسٹ ڈویژن لی، اور زیبی بری طرح رہ گئی تو گھر میں جنگ و جدال شروع ہو گیا۔ ممانی کو شدید انسلٹ محسوس ہو رہی تھی جب کہ زیبی کو فکر نہ تھی۔ اسے نوکری تو کرنی نہیں تھی۔ جو پروا ہوتی۔ مگر ممانی نے طیش میں آ کر الٹی میٹم دے دیا کہ اس گھر میں یا رخسانہ رہے گی یا وہ۔ ماموں بچارے مجبور ہو گئے اور اس طرح رخسانہ کو الگ گھر لینا پڑا۔ الگ گھر کے اخراجات بھلا ماموں کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ رخسانہ کو قریبی اسکول میں اردو پڑھانے کی جاب مل گئی۔
پھر ماموں نے ثنا کو بھی عارضی طور پر ایک جگہ کام

دلوا دیا۔ یہ ایک شادی دفتر تھا۔ ماموں کے دوست کی بیوی اس کی روح رواں تھیں۔ ثنا کو یہ کام پسند آیا۔ کام ہی کیا تھا، ٹیلی فون وصول کرنا، اور مالکہ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کو فون کر کے رشتوں سے آگاہ کرنا۔ جو لوگ اپنی غرض لے کر آئیں انہیں پوری عزت کے ساتھ بٹھانا۔
ان ہی دنوں دو تین نوجوان بھی اپنے انکل کے رشتے کے لیے آنے لگے۔ مسز روحی نے ان سے کہا کہ وہ انکل کو لائیں تاکہ ان کی عمر اور حیثیت دیکھ کر رشتہ تجویز کریں۔ ان میں ایک لڑکا جسے دوسرے لڑکے شہزادہ کہتے تھے، بہت بحث کرتا تھا۔
"آخر انکل کا آنا کیوں ضروری ہے؟ انہوں نے ہمیں پورا اختیار دیا ہوا ہے اور جب ہمیں رشتہ پسند آ جائے گا تو انہیں بھی لے آئیں گے۔ وہ خود آپ سے گفتگو کر کے مطمئن کریں گے۔"
"لیکن جب تک میں ان کو دیکھ نہ لوں کیسے کوئی رشتہ [illegible] ہوں، یہ تو عزت کا معاملہ ہے اور لڑکی کے والدین بھی معترض ہو سکتے ہیں۔"
"لیکن ہم کو لڑکی نہیں چالیس سالہ خاتون کی [illegible] مطلب ہے ہمیں لڑکی نہیں، عورت چاہیے۔ بے شک وہ خود انکل سے مل کر بات کریں، مگر آپ ہمیں کوئی تصویر تو دکھائیں، آپ کے پاس تو سن رسیدہ خواتین بھی رشتوں کے لیے آتی ہیں۔"
لڑکا خاصا چرب زبان تھا، کبھی وہ اداس ہو کر انکل کی مجبوریاں بیان کرتا۔ کبھی تنہائی اور تنہائی کے زہر پر تقریر کرتا۔ اسے انکل سے بہت محبت اور ہمدردی تھی۔
"آپ کو کیا علم، تنہائی کیسی جان لیوا ہوتی ہے، مجھے تو خطرہ ہے کہ یہ تنہائی کا زہر کہیں بے چارے انکل کی جان نہ لے لے۔ خدانہ کرے۔"
"مگر ہمارے ادارے کی اپنی عزت اور اصول ہیں۔ آپ کو منظور نہیں تو کسی اور شادی دفتر جا کر ٹرائی کریں۔" مسز روحی سخت بیزار ہو گئیں۔
ثنا نے دیکھا کہ شہزادہ مایوسی سے گردن لٹکائے مڑا۔ اس نے ٹشو نکال کر آنکھیں پونچھیں۔ اس کے ساتھیوں نے پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔ وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر رندھی ہوئی آواز میں بولا۔
"ہائے اب کیا ہو گا۔ لگتا ہے انکل کنوارے ہی رہ جائیں گے۔"
ثنا کو اس پر بڑا ترس آ رہا تھا۔ مسز روحی پر کوئی اثر نہ تھا، وہ ہر قسم کے بگڑے لوگوں سے نمٹنے کے گر جانتی تھیں۔ بعد میں ثنا کو افسوس بھی ہوا، اس کی امی بھی چالیس سالہ تھیں۔ اگر امی شادی کر لیں تو کتنے مسائل سے جان چھوٹے۔ اسے بھی بنے بنائے ابا مل جائیں۔ امی کو لوگوں کی نکتہ چینیوں سے نجات ملے۔ ممانی کے زہریلے جملوں سے ان کے الزامات سے بچیں گی۔ پتا نہیں انہوں نے جوانی میں شادی کیوں نہ کر لی یا کسی نے ان سے شادی کیوں نہ کی۔ ماموں کو بھی خیال نہ آیا کہ بہن کو اپنے گھر بار کی کر دیں۔ بیوہ عورت کو دوسری شادی ضرور کرنی چاہیے۔ یہ شریعت کا حکم ہے اور یہ بات اس نے امی سے کہی۔ تو انہیں غصہ آ گیا۔ "چھوٹا منہ بڑی بات اور تمہیں ہمت کیسے ہوئی وغیرہ۔"
ثنا ڈر گئی۔ امی کو غصہ کب آتا تھا، بس آنسو ہی تھے جو ان کی آنکھوں سے بہتے رہتے۔ وہ بھی سب سے چھپا کر۔ اس نے ماں سے معافی مانگی۔
رخسانہ نے اسے گلے لگا لیا۔ اور پھر اپنی مجبوری کا حال سنایا۔ خاندان میں ہی کئی رشتے موجود تھے، لوگ ان کے لیے آتے۔ تو بھابھی انہیں ٹال دیتیں۔ کبھی ماموں کے بہانے کبھی خود رخسانہ کا نام لے کر۔ کہ وہ دوسری شادی کو اچھا نہیں سمجھتی۔ رخسانہ سے کسی نے نہیں پوچھا۔ وہ کیا چاہتی ہے۔
بھابھی کو مفت کی ملازمہ ملی ہوئی تھی بے ضرر، بے زبان، بے غرض، بے طلب، وہ اس کی شادی کر کے اپنا نقصان کیوں کرتیں۔ پہلی شادی پر ہی اسے خوش مطمئن دیکھ کر جل کر خاک ہو رہی تھیں۔ دوسری شادی کروا کر پھر دل جلاتیں، جب شادی کی عمر نکل گئی تو انہیں رخسانہ زہر لگنے لگی۔ اس کے

اخراجات پر اعتراض ہونے لگا۔

ثنا کو اب اندازہ ہو رہا تھا کہ ممانی نے ان سے اپنی جان کیوں چھڑائی ہے۔ کیونکہ اب انہیں اخراجات کی پروا نہ تھی۔ کھانا پکانے والا خانساماں آ گیا۔ اوپر کے کام کے لیے لڑکی رکھ لی۔ ایک چھوکرا بھی جھاڑ پونچھ اور گیٹ کھولنے کے لیے آ گیا۔ اور یہ بات مسز روحی نے اسے سمجھائی تھی۔ ثنا کو خود پر بھی غصہ آیا۔ اور ماں کی بے لوث محبت اور خدمتوں کے عوض بھائی بھاوج کی بے مروتی پر رونا آنے لگا۔

کاش میری ماں بھی اپنے حق کے لیے ہاتھ پھیلا سکتی، مگر ان کے پاس تو بے پایاں محبت تھی۔ جو وہ بھائی اور ان کی اولاد پر لٹاتی رہیں اور صلہ ملا تو...... یہ کہ بالکل ہی بے آسرا ہو گئیں۔ ماں بیٹی کو جاب کیا ملی کہ ماموں نے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ مہنگائی کے اس ہوشربا جن کے سامنے ان کی معمولی تنخواہوں کی حیثیت ہی کیا تھی، مگر...... ممانی نے اپنے اخراجات اتنے بڑھا لیے کہ ماموں کی جیب تنگ پڑ گئی اور انہوں نے خود آ کر رخسانہ سے اپنی مجبوری، مہنگائی، اخراجات اور تنگی داماں کا ایسا نقشہ کھینچا کہ رخسانہ کو بھائی پر ترس آنے لگا اور خود وہ اپنی ہر ضرورت محدود کرنے پر مجبور ہو گئی۔

اور تب ثنا کو خیال آیا اگر اماں اب بھی راضی ہو جائیں تو انہیں شادی کر کے گھر کا سکھ ملے گا۔ خود اسے بھی سائبان نصیب ہو گا۔

رخسانہ کو ثنا کی شادی کی فکر ہو رہی تھی۔ اور ثنا خود تیار نہ تھی۔

”میری شادی کر کے آپ خود تنہا ہو جائیں گی۔ کیسے رہیں گی۔ بالکل اکیلی؟“

”رہ لوں گی۔“ رخسانہ نے آنسو پی لیے۔

”ہزاروں عورتیں ایسی ہوں گی جن کا ان کی بیٹی کے سوا کوئی نہ ہوتا ہو گا۔ وہ کیا بیٹی کے ساتھ رخصت ہوتی ہیں؟“

”گڈ آئیڈیا۔“ ثنا مارے جوش مسرت کے ماں سے لپٹ گئی۔ ”امی! ایسا ہو سکتا ہے اب آپ کسی ایسے رشتے کی تلاش کریں۔ جو ہم دونوں کے لیے ایک سائبان فراہم کرے۔ امی! اس میں کچھ بھی حرج نہیں اور یاد رکھیں میں ہرگز اس وقت تک شادی نہیں کروں گی۔ جب تک آپ کی طرف سے اطمینان نہیں ہو جاتا۔“

اس کی آنکھوں میں شہزادے کا عکس تھا اور وہ سوچ رہی تھی پتا نہیں اس کے انکل کس قسم کے آدمی ہیں، کاش میں نے ان سے فون نمبر لے لیا ہوتا۔ شاید...... وہی ہم دونوں ماں بیٹی کے لیے...... راہ نجات کا باعث ہو سکیں۔

رخسانہ کو بیٹی کی تجویز پر ہنسی آ گئی۔

کتنی بھولی ہے میری بیٹی بھلا اس عمر میں...... میری شادی لوگ کیا کہیں گے۔ یہ معاشرہ تو ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہاں تو سب کے منہ کھلے ہوئے ہیں۔ ہر نادار، بے بس بے آسرا پر تنقید اور نکتہ چینی اعتراض بلکہ الزام اور بہتان تراشی مجھ جیسی کمزور عورت...... کس کس سے لڑے، کس کس کا مقابلہ کرے۔

عمر گزار دی ڈرتے ہوئے، لوگوں کی زہر بھری بے باک زبانوں سے بچنے کے لیے۔ مٹا دیا خود کو، اپنے ارمان اور خواہشوں کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔ جوانی میں نفس کے دیو سے لڑ لڑ کر کچل دی اپنی ذات بھلا دیا کہ میں بھی لڑکی تھی۔ امنگوں سے بھری، یا عورت ہوں، جسے اپنے گھر آنگن میں مہکتے پھولوں سے محبت ہوتی ہے۔ جسے آنگن میں چھٹکی چاندنی کی ٹھنڈک سے پیار ہوتا ہے۔ اور...... اور جو پیار محبت کی دیوانی ہوتی ہے۔ جو دیواروں پر چڑھی بیلوں کی آبیاری کرتی ہے۔ اور بچوں کے لیے خواہ مخواہ پریشان ہوتی رہتی ہے۔

میں نے ہر الزام کا مقابلہ کیا۔ ہر سختی کو سہا، اور اپنا دامن صاف رکھنے کے لیے ارمانوں خواہشوں پر لاپروائی کی مٹی ڈال کر انہیں دفن کر دیا۔ اپنی بیٹی کی خاطر سب کی خدمت کی۔ اس کی تعلیم تربیت، اس کی ضروریات کے لیے، اپنا وجود فراموش کر کے بچپن گھر اور گھر والوں پر تن من قربان کر دیا۔ اور جب میں مٹی کی مورت اختیار کر چکی تو میری قربانیوں کو بھلا دیا

گیا۔ اور دودھ کی مکھی کی طرح مجھے نکال کر پھینک دیا۔ واہ ری میری قسمت کیوں میری قربانیوں میں اثر نہ تھا۔ کیوں کسی کو میرے وجود کا احساس نہ ہوا۔ شاید اس لیے کہ میری آہوں میں بھی اثر نہ تھا، فریادوں کو عرش تک پہنچنے کا اذن نہ ملا تھا، میری ذات اتنی ہی غیر اہم تھی...... خیر...... مگر میں کیا سوچنے لگی۔ توبہ، توبہ اے خدا مجھے معاف کرنا، ہزاروں لاکھوں سے بہتر زندگی گزاری، کسی کا احسان نہ لیا۔ یہ کیا کم ہے۔

رخسانہ توبہ استغفار پڑھ کر مطمئن ہو گئی، واقعی ہم صدق دل سے چاہیں تو فکروں کا بوجھ خود بخود اتر جائے، کسی سے شکوہ نہ کرنے کی پالیسی بھی مضبوط قوت ارادی کا مظہر ہے۔

ثنا کو اس وقت سے بے چینی ہو گئی جب اچانک ماموں کو سعودی عرب جانا پڑ گیا۔ سعودی عرب سے وہ امریکہ چلے گئے، سب کچھ ایک ماہ کے اندر ہو گیا۔ اور رخسانہ بھی اداس اور فکر مند ہو گئی، کچھ بھی تھا دور ہونے کے باوجود بھائی کا آسرا تھا۔ وہ کبھی کبھی آ کر دلجوئی کر لیا تھا۔ گھر سے نکلنے کے بعد بھی رخسانہ کو دوری کا احساس نہ ہوا تھا۔ مگر اب...... اب تو سمندروں کی دوری حائل تھی اور...... بھائی بھی اس قدر مصروف ہوا کہ...... بھول ہی گیا۔ بھابھی اسی جگہ رہتے ہوئے انجان بن گئی۔

اب حقیقت میں تنہائی جان کا روگ بنی، رخسانہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر روتی۔ اللہ سے اپنے لیے بہتری کی دعا کرتی۔ ثنا اب اپنے موقف پر اور بھی مضبوط ہو گئی، اور گاہے گاہے ماں کو راضی کرنے کی کوشش کرتی۔

”امی! دنیا نے کب ہمارا ساتھ دیا ہے، جو ہم اس سے ڈریں، اگر ہم صحیح راستے پر چلتے ہیں تو ہمیں کسی رکاوٹ کی پروا نہ ہونی چاہیے کوئی پتھر ہو اسے اٹھا کر پھینک دیں کوئی روکے اسے دھکا دے دیں۔ امی دنیا کی پروا کرنی چھوڑ دیں۔ ہمیں اپنی بہتری، اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے کا حق ہے۔ آپ خود سوچیں ابھی یہ حال ہے کہ کوئی ہمیں پوچھتا نہیں۔ جب آپ بوڑھی ہو جائیں گی اور خدا نہ کرے کسی برے حال میں مبتلا ہوئیں تو کون آپ کا پرسان حال ہو گا، مجھے تو آپ شادی کر کے دور کر چکی ہوں گی۔“

رخسانہ، ثنا کو نہ سمجھنے کے انداز میں دیکھنے لگی۔ ثنا کی شادی، ثنا سے دوری، جدائی رخسانہ اب تنہائی مکمل تنہائی کے خوف میں مبتلا ہو گئی۔ کتنے ہی لوگ یاد آ گئے جنہوں نے کسمپرسی میں جان دی۔ کتنے لوگ بے اعتنائی کا شکار ہوئے اولاد والے اپنوں کے ہوتے ہوئے تنہا زندگی گزار کر دوسروں کے دست نگر ہو گئے۔

دولت مند بوڑھے، اولاد کے ہوتے ہوئے تنہا زندگی گزارنے پر مجبور، یا نوکروں کے رحم و کرم پر ان کی بے چارگی تو اور بھی سوہان روح ہوتی ہے۔ بھلا دولت بھی پیار محبت، خلوص اور مروتوں کا بدل ہو سکتی ہے؟ نہیں اور میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ دولت، نہ سہارے ایک بیٹی ہے۔ اگر داماد اچھا ہوا تو شاید کچھ دلجوئی کر لے۔ ورنہ...... بے بس بے سہارا، بیٹی کی صورت کو ترستی رہوں گی۔ اور اگر داماد دوسرے ملک جانے پر ضد کر بیٹھا۔ کاش اتنا ہوتا کہ میں گھر داماد کی شرط رکھ سکتی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اور اس دن ثنا نے ہی بتایا تھا ”ماموں بھی امریکہ جا رہے ہیں ویزا ملنے کی دیر ہے۔ پتا نہیں لوگوں کو امریکہ جانے کی کیا دھن ہے؟“

”بھائی کی تو یہاں اچھی خاصی جاب تھی، پوزیشن تھی، سعودی عرب گئے تو سوچا تھا ان سے کہوں گی مجھے حج کرا دیں۔ لو انہوں نے شاید سعودی عرب کا بہانا کیا تھا کہ امریکہ پہنچ کر دم لیا۔ اور اب بیوی بچوں کو بھی بلا رہے ہیں اتنی جلد ویزا کیسے ملے گا بھلا؟“

مگر...... مل ہی گیا۔ یہ قسمت کی زور آوری ہی تھی۔ بھابھی نے جانے کی اتنی جلدی کی کہ ملنے نہ آ سکیں۔ ثنا اور وہ ایئرپورٹ پر ہی جا کر مل سکیں۔

بھابھی کا پورا میکہ آیا ہوا تھا وہ ان ہی سے گلے ملنے میں قہقہے لگانے میں مصروف رہیں۔ ذرا کی ذرا ثنا کے سر پر ہاتھ رکھا۔ منہ پر مسکراہٹ نثار کی اور بس۔

رخسانہ واپسی میں روتی رہی، ثناء بھی گم صم تھی۔
بھرا پرا گھر بھابھی اپنے بھائی کے حوالے کر گئیں۔ اس گھر سے رخسانہ کی اچھی بری کتنی ہی یادیں وابستہ تھیں۔ بچپن اور جوانی اور پھر بیوگی کے اداس دن اسی گھر میں گزارے تھے میکہ ..... جو اب پرایا ہو چکا تھا' آنسو تو اتر سے بہتے رہے۔ اور انہیں بہنا ہی تھا کہ بند ٹوٹ چکا تھا اور آگے نشیب ہی نشیب تھا۔

اس روز روحی نے ثنا کو بلا کر کہا۔

"تم شادی کیوں نہیں کر لیتیں' خوش شکل اور تعلیم یافتہ ہو' تمہیں دراصل سروس کی نہیں اپنے گھر کی زیادہ ضرورت ہے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں میڈم! میرے ساتھ میری امی ہیں اور ہمیں جینے کے لیے....."

"جینے سے کون روک رہا ہے۔ شادی کرو' ماں کو ساتھ رکھو' ایک خاندان کے جسے تم پسند آ گئی ہو' وہ تمہاری ماں کی ذمہ داری لینے پر تیار ہیں۔" مسز روحی بات کاٹ کر بولیں۔

"مگر امی اسے منظور نہیں کریں گی۔ وہ بڑی خود دار ہیں۔" ثنا جانتی تھی کہ امی کتنی انا پرست ہیں۔

"پھر تم سے زیادہ انہیں شادی کی ضرورت ہے۔" مسز روحی نے شاید طنز کیا تھا۔

ثنا نے خوش ہو کر کہا "جی میڈم! میں یہی چاہتی ہوں کہ..... امی سیکنڈ کلاس شہری بن کر نہیں بلکہ استحقاق کے ساتھ کہیں رہیں۔ خواہ شادی امی نے جوانی میں تو میری وجہ سے شادی نہیں کی۔ مگر اب..... میں سمجھتی ہوں کہ اب زیادہ ہی ضرورت ہے' ہمیں ایک گھر کی جہاں شرمندگی کے بغیر ہم رہ سکیں۔"

مسز روحی قلم سے میز ٹھوکنے لگیں یہ ان کی سوچ کا اندازہ تھا۔

"اچھا ایسا کرو' کل تم انہیں ساتھ لے آنا میں ان سے بات کروں گی۔"

♥ ♡ ♡ ♥

شہزادہ بہت حیران تھا' نانا آسانی سے مان گئے ورنہ کبھی ہاں' کبھی ناں کرتے تھے' مگر فون پر ان محترمہ سے بات کر کے خاصے مطمئن ہو گئے' شہزادے کے کہنے پر انہوں نے بالوں اور داڑھی کو براؤن کلر سے رنگ لیا۔ اور خاصے خوش رو اور رعب دار والے لگنے لگے۔

نبیل دیکھتے ہی چلایا۔ "شاندار!"

راحیل نے کہا "زندہ آباد" غفورن بولی۔

"میاں جی! آپ تو ایک دم جوان لگنے لگے۔"

"لگنے لگے کیا مطلب؟ ہم بوڑھے تو نہیں ہوئے غفورن تم تو شہزادے کی نانی سے نہیں ملیں۔ ارے وہ تو روزانہ ہمارے اوپر سے کالے دانے وارتی تھیں۔ ہمارے منہ پر تل بناتی تھیں۔ بڑی وہمی خاتون تھیں سمجھتی تھیں کہ محلے کی ساری لڑکیاں' ہمیں دیکھنے کے لیے کھڑکیاں کھول کر کھڑی ہوتی ہیں۔"

"میاں جی! اب تو میں بھی لگا سکتی ہوں آپ کے۔" غفورن باچھیں پھاڑ کر بولی۔

"مگر تم شہزادے کی طرف دیکھ رہی ہو۔" نانا ڈپٹ کر بولے۔

"جی نہیں جی۔" غفورن گھبرا گئی۔ شہزادہ شرما گیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

جوں ہی رخسانہ کی شادی کی خبر اڑی' محلے میں کھلبلی مچ گئی۔ روز پڑوسنیں سن گن لینے آ پہنچیں یہاں تک کہ بھائی کے محلے تک خبر پہنچ گئی۔ اور رخسانہ کی ہمدرد آپا صغریٰ بھی ہانپتی کانپتی آ گئیں۔ برقعہ اتار پلنگ پر ڈالا' سانس پھولا ہوا گرمی سے رنگ سرخ' بیٹھی آواز میں ٹھنڈا پانی مانگا۔ پانی پی کر اطراف میں نظر دوڑائی۔ اس کی بیوگی کے زمانے سے ہی ہمدرد تھیں۔ مگر اس گھر میں پہلی بار آئی تھیں حالانکہ رخسانہ کو اس جگہ آئے ڈیڑھ سال ہو چکا تھا' سانس برابر ہو چکا تو رخسانہ کے سر سے سر ملا کر سرگوشی میں بولیں۔

"اے رخسانہ! یہ میں کیا سن رہی ہوں.....؟"

"جی آپا کیا.....؟" رخسانہ دوپٹے پر گوٹا لگاتے ہوئے سادہ لہجے میں بولی۔

"یہی۔" انہوں نے دوپٹے کی طرف نظر جما دی "کہ

تم شادی کر رہی ہو۔ میں کہتی ہوں (گلے کا تھوک نگل کر) یہ تم اب اس عمر میں کیا ڈرامہ کرنے چلی ہو۔"

"کیوں، عمر کو کیا ہوا؟"

"بھئی، جوانی گزر چکی، اب تو لوگ یہی کہیں گے۔ بڑھے منہ مہاسے، لوگ چلے تماشے۔ آئے سفید چونڈے میں راکھ ملواؤ گی کیا؟"

"نہیں آپا! ایسا نہیں ہے۔ آپ خود سوچیں، میرا دنیا میں ہے ہی کون ایک بھائی تھے سو کوسوں دور ہو گئے۔ میری بچی کے سر پر سائبان نہیں، کوئی وارث نہیں۔"

رخسانہ کی آواز بھاری ہو گئی۔

آپا مزید بھڑک اٹھیں۔ "ہاں تو اسی لیے یہ گوٹے کا دوپٹہ اوڑھ کر آئے میں۔ کہتی ہوں یہ رنگین دوپٹہ سر پر ڈال کر چھمک چھلو بنی کیا اچھی لگو گی۔؟ اس عمر میں یہ شوق؟ دنیا باتیں بنا رہی ہے۔ تم کانوں میں تیل ڈالے بہری بنی ہوئی ہو۔"

"آپا! کیا میں زندہ نہیں ہوں؟ میرے شوق پورا کرنے میں کسی کا کیا نقصان ہے۔ مجھے بتائیں بیوہ تو آپ بھی ہیں، سچ بتائیں، آپ نے کیا بیوہ ہونے کے بعد سارے شوق چھوڑ دیے۔ آپ تو محلے کی شادیوں میں بھی مہندی لگا کر کانوں میں جھمکے پہن کر جاتی ہیں۔ میں نے کبھی آپ کو سفید کپڑوں میں نہیں دیکھا۔ میں ہی سب کو سوگ میں ڈوبی نظر آؤں؟ کیوں؟ ٹھیک ہے، جوانی میں نے سفید دوپٹے میں گزار دی کہ کوئی انگلی میری جانب نہ اٹھے۔ کیا میں نے جوانی میں کوئی غلط کام کیا؟ آج اگر میں رنگین دوپٹہ اوڑھ لوں گی تو گناہ ہو گا؟ اور دوسرے عقد کی اجازت شریعت نے دی ہے۔ میں اپنی بچی کی خاطر یہ کام کر رہی ہوں، یتیم، بے آسرا کو تو گلی کے کتے بھی بھونک بھونک کر سہماتے ہیں۔ کوئی محافظ بننے پر راضی نہیں تو کیا میں اسے بھیڑیوں کے لیے میدان میں چھوڑ دوں، اس کی حفاظت کا انتظام نہ کروں؟"

آپا صغریٰ گھبرا گئیں۔ کم گو رخسانہ سے اس لیکچر کی توقع نہ تھی۔ رخسانہ نے خاموش رہ کر زندگی گزار دی نہ کسی سے کوئی شکوہ، نہ کسی ناجائز سلوک پر شکایت صبر و تحمل سے ہر تلخ ترش کو نظر انداز کیا تھا اب اسے یہ جرات اور ہمت کہاں سے ملی۔

"چلو، اللہ تمہیں خوش رکھے۔" بالآخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ "مگر یہ ضرور کہوں گی کہ یہ آج جو کرنے چلی ہو۔ اگر پندرہ برس پہلے کر لیتیں تو تمہیں بھی سکھ ملتا۔ بچی کو بھی۔"

رخسانہ سرد آہ بھر کر رہ گئی پتا نہیں یہ مشورہ دینے میں آپا صغریٰ نے اتنی دیر کیوں کر دی۔ شاید کسی کو بھی اس کا سکھ منظور نہ تھا یا پھر... یہی اس کی قسمت تھی۔ سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہ ملا۔ زبانیں البتہ زہر اگلنے کو لمبی سے لمبی ہو گئیں۔

"ملی بھی ہو اس شخص سے؟ کہیں کوئی دھوکے باز نہ ہو۔" صغریٰ آپا مکمل ہمدرد بن گئیں۔

"مل چکی ہوں۔" رخسانہ دوپٹے پر گوٹا لگاتی رہی وقت کم اور کام بہت۔

نانا خود تو جوان بن گئے شہزادے کے لیے بھی انہوں نے بیش قیمت جوڑا بنوایا۔ سرج کی شیروانی اور سلک کا کرتا شلوار، نبیل رہ نہ سکا۔ سرگوشی میں بولا۔

"یار! نانا جان کی نیت صحیح نہیں لگتی۔ وہ خود تو دولہا بن رہے ہیں۔ تمہیں بھی دولہا بنانے کے چکر میں ہیں، پھنس نہ جانا۔"

"بھئی، شہ بالا بھی تو دولہا ہوتا ہے۔ میں نانا کا شہ بالا بن کر جا رہا ہوں۔"

راحیل، نبیل بے حد مصروف تھے۔ پھولوں کے ہار، مٹھائی کے ٹوکرے۔ دلہن کے جوڑے سب کچھ وہی کر رہے تھے۔ رشیدہ، سکینہ بھی نک سک سے درست بارات میں جانے کے لیے پہلے ہی آ گئی تھیں۔ رشیدہ کے والد نے تو نانا کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی۔

کہ شادی کے لیے ان کی عمر نہیں رہی۔ اب شہزادے کی دلہن آنی چاہیے۔ نہ کہ آپ...

نانا نے ان کی طرف سے پیٹھ موڑ لی۔

"بارات جانے میں دیر کیسی ہے نبیل میاں! تمہارے انتظام میں بہت سستی نظر آ رہی ہے۔ تم تو ہر کام بہت تیز کرتے تھے۔"

نبیل نے سرگوشی میں راحیل سے کہا۔ "آج نانا جان کی آواز شیرینی لٹا رہی ہے۔"

"یہ وقت ہی ایسا ہے۔" راحیل نے سنجیدہ بردباری چہرے پر طاری کر لی۔

"کیا مطلب... شادی کے دن۔ میرا مطلب ہے دوسری شادی کے موقع پر... اس قدر شہد آگیں لہجہ نانا جان شہد کے ڈرم میں غوطہ لگا کر تو نہیں آئے؟ دیکھنا باتھ روم..."

لڑکے شہزادے کے کمرے میں اودھم مچا رہے تھے۔ ڈانس ہو رہا تھا۔ طبلہ، ہارمونیم کہیں سے لے آئے تھے اور قوالی ہو رہی تھی۔ نبیل نانا کو زبردستی پکڑ لایا۔

"نانا جان! آپ بھی دیکھئے اور سنیے، سر دھنیے۔ ہم نے آپ کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر میوزک کا اہتمام کیا ہے۔ آج ریہرسل کر رہے ہیں۔ باقاعدہ پروگرام ولیمے پر۔"

"ہیں! ولیمے پر؟ میاں ولیمے کا تو ابھی کچھ طے نہیں ہے۔ دراصل ہماری بیٹی بھی اس خوشی کے موقع پر شرکت کے لیے آ رہی ہے۔ وہی طے کرے گی۔ تم تو بارات لے کر چلنے کی کرو۔ دیر مناسب نہیں۔ کسی کو انتظار کی کوفت میں مبتلا کرنا اچھی بات تو نہیں۔"

"انتظار میں لذت ہے۔ اور خوشی کا انتظار تو واہ واہ۔ کیا بات ہے ___ آپ قوالی سنیں۔" لڑکے مسلسل کوشش میں تھے اور ان کے گانے، سر اور دھن میں کہیں یکسانیت یا سریلا پن نہ تھا۔ کسی کی آواز پنچم تو کسی کی دھن، کوئی پنچم کوئی مدھم۔

"ہم بھی نہ جانا۔ بلو دے گھر، کبھی نہ جانا بلو دے گھر۔"

شہزادے نے تان اڑائی۔ "جی ٹی روڈ تے بریکاں لگیاں، بلو تری ٹور دکھ کے۔"

باقی لڑکے پیچھے پڑ گئے۔ "بلو تیری کون اے؟"

شہزادہ گھبرا کر بولا۔ "بلو میری گائے ہے۔ جیا گھبرائے ہے۔ چھا رہی کالی گھٹا، جیا مورا لہرائے ہے۔"

نبیل نے ملائی۔ "دھن چھپیے بانورے تو کیوں مہاریں گائے ہے۔"

شہزادہ ہنس کر بولا۔ "ڈاچی والیا موڑ مہار وے۔ کیونکہ۔ میں نے تو جانا اے بلو دے گھر۔" سب نے کورس شروع کر دیا۔ "میں نے تو جانا اے بلو دے گھر۔"

نانا اس طوفان بدتمیزی سے اکتا گئے اور صحن میں پلنگ پر جا بیٹھے۔

رشیدہ، سکینہ، راحمہ اور فرزانہ کھڑکی میں کھڑی شہزادے کے دوستوں کو دیکھ دیکھ کر اور سن سن کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوئی جا رہی تھیں۔ وہ جو ایک دوسرے سے خار کھاتی تھیں، اس خوشی کے موقع پر اتحاد و تنظیم کا ثبوت دے رہی تھیں اور اسی وقت دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی۔

پھر شہزادے کی امی نے اندر قدم رکھے۔ باپ کے گلے لگ کر آنسو بہائے۔ پھر شہزادہ باہر آیا۔ ماں بیٹے کا ملن سین بھی خاصا رنگین تھا۔ ماں ہنس ہنس کر بیٹے کو گلے لگا رہی تھی، بیٹا بالوں کی درستی میں مصروف۔ شیروانی کی استری نہ خراب ہو جائے۔ اس کی بھی فکر اور ماں کی ممتا کو خراج ادا کرنا بھی ضروری۔

"ڈیڈی نہیں آئے ممی! آپ اکیلی آ گئیں۔"

"وہ ولیمے کے موقع پر آئیں گے بیٹا! سب انتظام کریں گے گھبراؤ مت۔"

بارات کی روانگی میں بھی خاصی دقت ہوئی۔ لڑکیاں اچانک لڑنے جھگڑنے لگیں۔ شہزادے کا ہر دوست لڑکیوں کی گاڑی میں بیٹھنا چاہتا تھا اور ہر لڑکی شہزادے کی معیت میں سفر کرنا چاہتی تھی۔ بارے نانا نے ہی تصفیہ کیا۔ وہ کار میں آگے بیٹھے جسے شہزادے کا دوست چلا رہا تھا اور پیچھے شہزادہ اپنی ماں اور بری کے سوٹ کیس کے ہمراہ۔

لڑکیوں کو رشیدہ اور راحمہ کے والد کے ساتھ بٹھایا

گیا۔ غرض بارات آخر کار لیٹ سہی مگر روانہ ہو گئی۔

لڑکی والوں نے ایک میدان میں بارات کا استقبال کیا۔ چونکہ دلہن والوں کا اپنا کوئی رشتے دار نہ تھا۔ محلے والوں نے ہی بے کس، بے سہارا لڑکی کی شادی میں اپنے تعاون سے پورا انتظام کیا تھا۔ ان ہی لوگوں نے نانا، نواسے کو بڑی عزت سے ہار پہنا کر اسٹیج تک راہنمائی کی۔ لکڑی کی سیڑھی چڑھتے ہوئے نانا لڑکھڑائے تو نواسے نے سہارا دیا اور سرگوشی کی۔

"نانا جان! آپ کچھ گھبرائے ہوئے ہیں مگر کیوں؟۔ آپ نیک کام کرنے جا رہے ہیں۔ آپ کے قدم تو مضبوط ہونے چاہئیں۔"

نانا نے نواسے کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیے۔

"بیٹا جی! میرے قدم اس وقت تک مضبوطی سے جمے رہیں گے جب تک تمہارے کندھے کا سہارا مجھے ملتا رہے گا۔ دیکھو تم قدم نہ ہٹانا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں فقط آپ کا تابعدار نواسا۔"

نبیل نے آ کر کہا۔ قاضی صاحب آ گئے ہیں۔ نانا نے قاضی کو بغور دیکھا پھر مسکرا کر اپنے اور شہزادے کے درمیان جگہ دی۔ خطبۂ نکاح شروع ہو گیا اور جب نکاح کے لیے شہزادے کا نام آیا تو وہ فٹ بھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ کیا مذاق ہے؟" نانا نے اسے کھینچ کر بٹھا لیا۔

"برخوردار! ابھی تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا بھول گئے۔ ارے اتنی جلدی... پھر میں تم سے کیا امید کروں کہ تم میری زندگی تک میرا ساتھ دو گے؟" نانا بہت سنجیدہ تھے۔

"مگر... نانا جان...! وہ... وہ چالیس سالہ خاتون... وہ میں نے تو... اور کیا ممی نے بھی کچھ دیکھا تھا۔ نہیں ناں... نانا جان میرے ساتھ دھوکا..."

اور پیچھے سے اس کی ممی نے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بیٹا! شکوے کا موقع نہیں ہے۔ میں نے دیکھ سن کر ہی ابا کو اجازت دی تھی۔ چلو قاضی صاحب کو مطمئن کرو۔ بعد میں تمہیں بتا دیں گے ہم۔"

"کیا... کیا بتائیں گی آپ کہ نانا کی جگہ... ممی یہ کیا ڈرامہ ہے۔" وہ خاصا سراسیمہ تھا۔

"بیٹا جی! آپ نے ہی کہا تھا اس گھر کو ایک عورت کی ضرورت ہے۔"

نانا مسکرا رہے تھے پھر وہ سرگوشی میں نواسے کو کچھ بتانے لگے۔ ادھر اس کی ممی تلوار کی طرح اپنی انگلیاں اس کی پشت پر چبھوا رہی تھیں۔ شہزادے کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ پھر اس کے دوستوں کی حیران آنکھوں نے دیکھا۔ شہزادہ بڑی تابعداری سے رجسٹر پر دستخط کر رہا ہے۔ سب کچھ اپ سیٹ ہو گیا۔

سارے باراتی عالم تحیر میں نانا کی جگہ نواسے کو دستخط کرتا دیکھ رہے تھے۔ رشیدہ، راحمہ، سکینہ بوکھلائی ہوئی آ گئیں۔

صرف فرزانہ دلہن کے پاس بیٹھی اسے نانا نواسے کے تعلقات سے آگاہ کرتی رہی۔ دولہا کا پھولا ہوا چہرہ غبارے کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔

نانا بے حد خوش مزاج بن گئے تھے۔ وہ نواسے کو اپنی فرماں برداری کی فہرست تفصیل سے سنا رہے تھے۔

"تم نے کہا، اچھے قیمتی کپڑے بنائیں، ہم نے بنا لیے۔ تم نے کہا داڑھی مونچھ رنگ لیں بال کالے کر لیں ہم نے کر لیے۔ تم جو کہتے گئے ہم کرتے گئے۔ انکار نہیں کیا۔ منہ نہیں بنایا۔ ایک تم ہو کہ ہماری ذرا سی بات ماننے کے بعد سوبے چھوڑنے بیٹھے ہو۔ بھئی بہت عقل مند ہو تم مگر ہم تمہارے بھی باوا ہیں۔ نانا ہیں آخر۔ تم نے کہا رشتہ طے ہو گیا، ہم نے تمہاری تجویز پر سر جھکا لیا کہ شریفوں میں یہی ہوا کرتا ہے۔ پھر تمہاری ہدایت پر ہم ان خاتون سے ملنے مسز روحی کے شادی اسٹیشن گئے۔ دیکھا تو چونک گئے۔ ہمیں تو لگا کہ یہ ہماری بیٹی جیسی ہے۔ اسی عمر کی۔ ارے ہم بیٹی کی ہم عمر لڑکی سے اس کی مجبوریوں کا سودا کرتے؟ برخوردار! وہ بے کس اور پریشان حال شریف زادی ہم سے رو رو کر درخواست کر رہی تھی کہ وہ اس

تکلیف دہ فیصلے پر صرف اور صرف اپنی بیٹی کی خاطر مجبور ہوئی ہے۔ جس کے سر پر کسی وارث کا ہاتھ نہیں جس کا کوئی پرسان حال نہیں، جو پیٹ پالنے کے لیے نوکری پر مجبور ہے۔ ہم اس بچی سے بھی ملے اور دونوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر عہد کیا کہ آج سے وہ دونوں ہماری بچیاں ہیں اور ہم ان کے لیے ویسا ہی کریں گے جو اپنی بچی کے لیے کر سکتے۔ ہم نے انہیں یقین دلایا کہ اس بچی کو کسی عزت دار گھرانے کے شریف لڑکے سے بیاہ کر اپنا فرض پورا کریں گے۔ کیونکہ آج سے یہ ہماری نواسی ہوئی اور برخوردار کیا ہم عزت دار نہیں؟ اور کیا ہمارا نواسا شریف نہیں۔ کیا ہماری دوسری بیٹی کی بیٹی اس کی دلہن بنے؟ یقین کرو بیٹا! ہمارے اس فیصلے پر تم کبھی پچھتاؤ گے نہیں بلکہ شکر کرو گے کہ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو تمہاری زندگی ادھوری رہتی۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہیں آپ؟" وہ اب بھی مطمئن نہ تھا۔ مسلسل روٹھا ہوا تھا۔

"اسے کہ اس بچی سے روزانہ جا کر مل آتے تھے ہم ارے وہی مسز روحی کے شادی اسٹیشن جا کر وہیں تو کام کرتی ہے بے چاری۔ اس نے مسز روحی سے اپنی ماں کی شادی کے لیے کہا تھا تو پھر ہمارا اشتہار پڑھ کر اس کی ماں ہم سے ملی۔"

شہزادہ چونک گیا۔ "کیا؟"

"ہاں وہی پیاری سی لڑکی۔ خوش اخلاق، خوش خصال اور صابر۔ تم بھی اس سے ملے مگر اس کے باطنی حسن کو نہ پہچان سکے۔ ہم نے اس کے گھر جا کر بھی اسے خوب پرکھا۔ پھر تمہاری ماں سے بات کی۔ انہوں نے بھی رخسانہ سے بات کر کے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ دونوں دوپٹہ بدل بہنیں بن گئی ہیں۔"

شہزادہ آخر نانا کا نواسا تھا۔ اس نے خفگی ظاہر کرنے کو منہ موڑ لیا۔ مگر اس کے لبوں پر تبسم تھا۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اوہ مس ثنا! جس کے لبوں کا دبا دبا تبسم دیکھنے وہ روز مسز روحی کے ادارے پر جا دھمکتا تھا۔ اوٹ پٹانگ باتیں کر کے اسے ہنسانے کی کوشش کرتا۔

مس ثنا کی وہ بے ساختہ مسکراہٹ اور آنکھوں کی پرشوق چمک جو ہر منظر دھندلا دیتی اور اس کی باوقار چال، شائستہ لب و لہجہ۔

وہ اس کو پسند تھی مگر نانا کو کیسے بتاتا کہ ایک انجان لڑکی اس کی کمزوری ہو گئی ہے۔ وہی انجان اجنبی لڑکی... نانا کے دل کو بھا گئی۔ کسی انہونی تاربرقی کی مانند اور اب وہ انجان نہ تھی بلکہ دل کے قریب جان سے قریب... ایک شور سا اٹھا تھا۔ رخصتی۔ نانا اسے پکڑ کر سہارا دے کر اٹھا رہے تھے اور اسے احساس ہو رہا تھا۔ یہ نانا کے کمزور بازو ہمیشہ اسے سہارا دیتے ہیں۔ وہ آج تک اس کے راہبر بنے تھے اور دلدار بھی اور شاید ہمیشہ ہی...

نانا کی بے پایاں بے غرض چاہت کی تعظیم میں اس کا سر جھک گیا۔

اب وہ اپنی دو ماؤں کے درمیان ان کی دعاؤں کے حصار میں تھا۔

اور ثنا بھی اس کے دائیں جانب دو ماؤں کے علاوہ ایک روحانی باپ کے تحفظ میں مسکرا رہی تھی۔

*